سائنس میگزین کے ایڈیٹر جناب قاسم محمود کی نظر کا مبہوت کُن واقعہ

مکرم بشیر الدین احمد سامی (مرحوم)

ڈاکٹر عبد السلام صاحب کو حضرت اباجی سردار مصباح الدین صاحب کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کی ایک جھلک اس مبہوت کُن واقعہ میں نظر آتی ہے جس کا ذکر پاکستان کے رسالہ سائنس میگزین کے معروف ایڈیٹر جناب قاسم محمود صاحب نے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی سائنس کے میدان میں خدمات اور کارہائے نمایاں پر اپنے خطاب میں کیا۔ یہ واقعہ فلم بند بھی ہؤا اور مسلم احمدیہ ٹیلیویژن پر دکھایا گیا۔

جناب قاسم تحریر فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کا لاہور سے فون آیا کہ آپ میری ہمشیرہ کے گھر پہنچ جائیں۔ پتہ آپ اُن سے خود پوچھ لیں۔ گلیوں میں مکان تھا جس کے دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ کچھ مشتاق حضرات ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لیے موجود تھے۔ جس کمرے میں ہم بیٹھے ہوئے تھے، بیٹھک کہنا چاہیے جو ہمارے متوسط طبقہ میں ہؤا کرتا ہے۔ دیواروں پر قرآن کریم کے خوبصورت طغرے آویزاں تھے۔ لیجئے ڈاکٹر صاحب کی سواری آگئی لیکن وہ بیٹھک میں نہیں آئے جہاں ہم سب بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہیں چپکے سے ساتھ والے بغلی کمرے میں لے جایا گیا۔ دونوں کمروں کے درمیان کواڑ تھے اور بند تھے۔ پھر بھی ایک تھوڑی سی جھِرّی رہ گئی تھی۔ خوامخواہ میری نظریں اس طرف کو جمی ہوئی تھیں۔ ایک اُونچی سی کرسی پر ایک بُت رکھا ہؤا تھا۔ سر پر پگڑی 'لمبی سفید داڑھی۔ میں نے سمجھا کہ یہ بُت مرزا صاحب کا ہی ہو سکتا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب جھک کر اَوتار کی قدم بوسی کر رہے ہیں۔ کسی نے کواڑ بند کر دیا اور میں خفیف سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جو خیالات میں ڈاکٹر صاحب کے لئے رکھتا تھا وہ بت پرستی سے بُری طرح متزلزل ہو گئے گویا دنیا ہی بدل گئی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی ہمشیرہ، بھانجی، بھانجیوں سے مل کر بیٹھک میں آئے۔ اُن کی مہربانی انہوں نے سب سے پہلے مجھے ہی قریب بلایا اگرچہ میں اندر سے گُھلا (کھولا) ہؤا تھا۔ میں نے جلدی سے اجازت لی اور وہاں سے اُٹھ آیا۔ میں نے وہ رات کانٹوں پر بسر کی۔ اتنا عظیم انسان جو بات بات پر قرآنِ کریم کے حوالے دیتا ہے، کیسے بُت پرست ہو سکتا ہے، سمجھ میں نہ آئے۔ دوسرے دن مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اُن کی ہمشیرہ کو فون کیا۔ وہ بہت خوشی سے پیش آئیں۔ وہ بہت خوش تھیں کہ ان کے بھائی جان نے غریب نوازی کی تھی اور عرصۂ دراز کے بعد ان کے گھر آئے تھے ورنہ پہلے باہر ہی ہوٹلوں میں ٹھہر کر چلے جاتے تھے۔ کہنے لگیں کہ میرا بھائی بہت خوش خوراک ہے میں نے اُن کی پسند کی تین ڈشیں بنائی تھیں لیکن آپ بہت جلدی چلے گئے۔

میں نے جسارت کرلی کہ بتائیں ہمارے کمرہ میں آنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب بغلی کمرہ میں کس کے پاس گئے تھے۔ کہنے لگیں یہ ایک بہت ہی ذاتی سی بات ہے سختی سے منع کر رکھا ہے مگر آپ نے پوچھا ہے تو بتا دیتی ہوں۔ یہ اُن کے سکول کے زمانے کے آخری اُستاد ہیں جو بقیدِ حیات ہیں 80 یا85 سال کے تو ہوں گے باقی سب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ کیا بتاؤں بھائی جان اپنے اُستادوں کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ بھائی جان کو انہوں نے چھوٹی کلاسوں میں پڑھایا ہے۔ پتہ نہیں فارسی، عربی، تاریخ یا جغرافیہ پڑھایا ہے۔ مجھے معلوم نہیں پہلے وہ چنیوٹ ضلع جھنگ میں رہتے تھے جب مصروفیت اجازت دیتی تھی ڈاکٹر صاحب ان سے ملنے چنیوٹ چلے جاتے تھے۔ پھر مصروفیات زیادہ بڑھیں تو اُنہیں کراچی بلوالیا ہے اور کورنگی میں ایک کوارٹر لے دیا ہے۔ حسبِ توفیق خدمت کرتے رہتے ہیں اپنے استاد کی قدم بوسی کے لیے وہ خود کراچی آتے جاتے ہیں۔ ان کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ لیکن کل صبح بھائی جان نے لاہور سے ٹیلیفون کیا تھا کہ ماسٹر صاحب کو کورنگی سے ایسی گاڑی بھجوا کر بلوالوں جس میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس لیے ہم نے گاڑی بھجوا کر انہیں بلوالیا وہ بس پانچ منٹ میں واپس چلے گئے تھے۔ میں کیا بتاؤں میرا بھائی فرشتہ ہے فرشتہ!!"

جناب قاسم محمود صاحب نے جب اپنا مبہوت کُن واقعہ ختم کیا تو سامعین نے بھرپور تالیوں سے ڈاکٹر صاحب کی عظمت اور سعادت مندی کی جی بھر کر داد دی۔ اس جاندار واقعہ کے سفید پگڑی اور سفید لمبی داڑھی والے مرکزی کردار محترم سردار مصباح الدین صاحب تھے جن کا ڈاکٹر صاحب بے حد احترام کرتے تھے۔ یہاں اس

بات کا بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ جناب قاسم محمود صاحب کی نظروں نے ایسا دھوکہ کیوں کھایا جس سے ان کے خیالات ڈاکٹر صاحب کے لئے متزلزل ہوئے۔ امر واقعہ یہ تھا کہ حضرت سردار صاحب کے کولھے کی ہڈی اس بُری طرح ٹوٹ چکی تھی کہ باوجود آپریشن کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ وہیل چیئر استعمال کرنے لگے تھے۔ ادھر کان کی شنوائی بھی بُری طرح متاثر تھی جس کی وجہ سے کان کے ساتھ منہ لگا کر ہی بات ہو سکتی تھی اور وہ بھی بہت مشکل کے ساتھ۔ ان کی وہیل چیئر اونچی سطح کی تھی وہ ہمیشہ سفید پگڑی پہنتے تھے، سفید داڑھی اور سفید قمیص شلوار۔ ڈاکٹر صاحب جو انتہائی مصروفیت کے عالم میں تھے اور کسی اگلی ہی فلائٹ سے واپس جانے والے تھے ان کی سعادت مندی کی انتہا تھی کہ انہوں نے اپنے اس بزرگ کو پہلے ملنا پسند فرمایا تا کہ چند ساعت ہی سہی وہ ان سے مل سکیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اُن کے ساتھ آخری ملاقات تھی۔ جس کے لیے ڈاکٹر صاحب کو یقیناً جھکنا پڑا اور خیریت معلوم کرنے اور دعا کے لیے کہنے کے لئے کانوں کے قریب ہونا پڑا۔ یہ وہ نظارہ تھا جس کو ایک اجنبی ایک چھوٹی سی جھرّی میں سے دیکھ کر غلط فہمی میں پڑ گیا۔ بزرگوں کا احترام دراصل ڈاکٹر صاحب کی گھٹی میں ہی تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل کے بعد ڈاکٹر صاحب کے خطوط سے ان کے عجز و اخلاص کا اظہار اپنی جگہ ہے۔

ڈاکٹر عبد السلام صاحب 19 /اکتوبر 1979ء کے عریضہ میں والد بزرگوار سردار صاحب کو تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

”گرامی قدر زاد عنایتکم! آپ کا خط پڑھ کر رقت طاری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے وجود بھی پیدا کئے ہیں جو محض اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ احمدیت اور اسلام کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور صحت میں برکت دے اور آپ جیسی ہستیاں اس سلسلہ میں پیدا ہوں جو محض اللہ کی خاطر اس قدر محبت اور شفقت اپنے دل میں رکھتی ہیں۔“

ڈاکٹر عبد السلام صاحب اپنے ایک اور خط مورخہ 20 جولائی 1982ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”گرانقدر سردار صاحب! آپ کا عزیزم رشید کے نام ابھی ابھی خط ملا۔ آپ کی بیماری کا انتہائی صدمہ ہوُا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ حضرت چودھری صاحب کی طرح آپ کے فیضان اور دعا کی توفیق کو سلامت رکھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بارے میں آپ کا فرمان درست ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

”آفتاب نصف النہار پر آیا ہوُا، اچانک غروب ہو گیا۔“

خاکسار صفیہ سامی عرض کرتی ہے کہ

مضمون کے آخر پر یہ جو تین فوٹوگراف ہیں۔ محترم ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی کراچی میں اُس وقت کی ہیں جب محترم ڈاکٹر عبد السلام کی ہمشیرہ کے گھر قاسم محمود صاحب کی جس ملاقات کا ذکر ہے۔ جب حضرت سردار مصباح الدین صاحب کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے اُن کے پوتے مزمل مجتبیٰ (جو سامی صاحب کے بڑے بھائی عبد السبحان مرحوم کے بیٹے ہیں) نے مجھے بھیجی ہیں۔ یہ غالباً 1987ء یا 1988ء کی ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ جو اِن تصویروں کے ساتھ درج ہے۔ مزمل جو تصویروں میں بچہ ساتھ کھڑا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

میں نے اپنی زندگی کا ایک بہت ہی خوبصورت عقیدت مندی کا مظاہرہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تھا۔ الحمدللہ۔ وہ یوں تھا کہ:

ڈاکٹر صاحب نے اباجی (داداجی) کو سواری بھیج کر اپنی بہن کے گھر بلوایا تھا۔ جہاں بہت سارے نیوز رپورٹر کیمرہ مین وغیرہ بھی ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اُن کے سیکرٹیری بھی تھے آپ نے اُن سے کہا میں پہلے محترم سردار صاحب کو ملوں گا بعد میں باقی سب سے ملاقات ہوگی۔ یہ ایک لمبی ملاقات تھی جو ڈاکٹر صاحب کی درخواست پر اُن کی ہمشیرہ کے گھر صرف دعا کی غرض کے لئے ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اباجی کو فرمایا کہ وہ کسی اور نئے پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں اور اگر وہ اس کام میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ایک اور نوبل پرائیز کے حق دار بن جائیں گے۔ پھر ہم نے ایک ساتھ لنچ کیا اور دوران لنچ اُنہوں نے اپنی ایک خواہش کا اظہار بھی کیا کہ وہ پاکستان میں Scientific Society بنانا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی کہنے لگے کہ ان مولویوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے کہ وہ اس پروجیکٹ کی مخالفت نہ کریں۔ پھر مزمل لکھتے ہیں کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ یہاں پاکستان میں ٹیلیویژن پر نیلام گھر طارق عزیز صاحب کا پروگرام ہوتا ہے جس میں General knowledge کے سوال ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ”کون سے مسلم سائنسدان ہیں جن کو نوبل انعام ملا ہے؟“ جس کے جواب میں آپ کا نام لیا گیا۔ جس پر محترم ڈاکٹر صاحب کو اس بات کی بے حد خوشی ہوئی کہ اُن کو مسلم کہا گیا۔

پھر حضرت اباجی (داداجی) سے ڈاکٹر صاحب نے دعا کی درخواست کی کہ میرے ہاتھ کے انگوٹھے میں شدید درد رہتی ہے جس سے مجھے لکھنے میں بہت دقت پیش آتی ہے اِس پر اباجی کافی دیر اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دعا کرتے رہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے میری تعلیم کے بارے میں پوچھا۔ اباجی (داداجی) نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا مزمل میرا پوتا میری بہت خدمت کرتا ہے میری ٹانگ میں Fracture کی وجہ سے مجھے یہ بچہ گود میں اُٹھا کر ہر جگہ لے کر جاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر

صاحب نے سو100 روپے مجھے تحفۃً دیے اور کہا اپنی تعلیم کی کوئی ضرورت پوری کر لینا۔ پھر اُنہوں نے اپنے سیکرٹری کو پوچھا کہ یہاں کراچی میں سب سے اچھا ہسپتال کون سا ہے اُن کا جواب تھا آغا خان یونیورسٹی ہسپتال۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے اباجی (داداجی) کو آغا خان ہسپتال میں داخل کروایا اور اُن کی ٹانگ میں جو راڈ ڈالی ہوئی تھی اُس کو نکلوا دیا جس کی وجہ سے اُن کو بہت تکلیف تھی اور اب اُس راڈ کو نکال دینے سے اباجی (داداجی) کو بہت سکون ملا۔ الحمدللہ

میرے لئے یہ خوشگوار واقعہ ہمیشہ یادگار بن کر رہے گا اور اس سارے وقت میں مَیں نے لاؤڈ سپیکر کا کام بھی کیا کیوں کہ اباجی بہت اُونچا سُنتے تھے میں دونوں کے درمیان پیغامبر بنا رہا۔ یہ میرے لئے ناقابلِ فراموش ملاقات تھی۔ الحمدللہ۔

یہ مضمون میں نے لکھ کر اپنے بچوں کو دکھایا تو میرا بیٹا منیر شہزاد سامیؔ بولا، اُمی محترم ڈاکٹر صاحب کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی ایسے ہوا کہ غالباً اسلام آباد (ٹلفورڈ) میں جلسہ کا موقع تھا اور ڈاکٹر صاحب کی ملاقات یعنی مصافحہ کے لیے لائن لگی ہوئی تھی اور اُس لائن میں مَیں بھی لگا ہوا تھا۔

جب میری باری آئی مَیں نے اپنے ابو کا نام بتایا اور دادا ابو حضرت مصباح الدین کا تعارف کروایا تو نظریں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور پوچھا اب سردار صاحب کا کیا حال ہے؟ وہ سائیکل سے گر گئے تھے، (مجھے اس بات کا بالکل علم نہیں تھا) پھر بھی مَیں نے جواب دیا کہ وہ ٹھیک ہیں (ڈاکٹر صاحب نے میرے ابو سے اُن کی خیریت دریافت کی) ڈاکٹر صاحب نے مجھے کہا یہاں میرے پاس بیٹھ جائیں۔ مَیں ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔ لوگ آتے رہے اور مصافحہ کرتے ہوئے گزرتے رہے۔ ساتھ مجھے بھی دیکھتے ہوں گے کہ یہ لڑکا کون ہے جو یہاں ڈاکٹر صاحب کے قُرب میں بیٹھا ہوا ہے میری عمر اُس وقت قریباً 17 برس کے قریب ہوگی۔

اتنے عظیم شخص کے ساتھ یہ ملاقات میرے لیے ایک یادگار بن گئی۔ مجھے ساتھ بٹھانا یقیناً اس عظیم شخص کا اپنے استاد اور بزرگوں کے احترام کا نتیجہ تھا۔ میری کیا حیثیت تھی مَیں ایک بچہ تھا صرف اس لیے کہ مَیں اُن کے استاد کا پوتا ہوں مجھے محبت اور پیار سے اپنے قرب میں جگہ دی، مَیں یہ خوبصورت ملاقات کبھی بھی بھول نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق بخشے کہ ہم بھی اپنے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت کر سکیں۔ آمین اللھم آمین۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اپنے فضل سے علم و عرفان میں ترقیات کے ممتاز مقام پر کھڑا کیا ہے۔ ایسے عظیم لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر گزار بنائے آمین۔

مرسلہ: صفیہ سامی۔ یوکے